بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

خرم مراد

پاکستان اپنی تقریباً نصف صدی کی مختصر سی زندگی میں مسلسل ایک بحران کے بعد دوسرے بحران کا شکار رہا ہے۔ لیکن یہ کہنا بلا مبالغہ آج اسے اپنی زندگی کے سب سے زیادہ خطرناک بحران کا سامنا ہے۔ ہر بحران کی ہمیں بڑی بھاری قیمت بھی ادا کرنا پڑی ہے۔ حتیٰ کہ ۱۹۷۱ میں تو اپنے جسم کا آدھا حصہ کاٹ کر دینا پڑا ہے۔ لیکن اس وقت اتنا تو تھا کہ ' سوائے ان کے جو شتر مرغ کی طرح ریت میں اپنا سر چھپائے رکھنے پر مصر تھے' ہر جاننے والا جانتا تھا کہ اب ماضی کی بداعمالیوں کی اتنی قیمت ادا کیے بغیر کوئی چارا نہیں۔ لیکن آج کوئی بھی ہوش مند یہ بازی لگانے کی جرات نہیں کرسکتا کہ اس بحران کی قیمت' آج اور مستقبل میں' کتنی بھیانک ادا کرنا ہوگی۔

پھر' جب کسی بحران سے نکلے' تو اس طرح کہ اسباب کا کچھ ازالہ نہ ہوا' ہاں مارشل لا اور ناقص یا مصنوعی انتخابات جیسی تدابیر کے ذریعہ حالات کو پرسکون کردیا گیا۔ اس مصنوعی سکون پر بہت سوں نے اطمینان کا سانس لیا' اور قلم کاروں نے مدح و توصیف کے گیت لکھنے کے لیے قلم سنبھال لیے۔ مگر ایسی ہر تدبیر نے ایک اور سنگین تر بحران کو جنم دیا۔ ۱۹۵۳ سے ۱۹۶۹ تک جن تدابیر سے بحران دور کیے گئے' ان کے نتیجہ میں ملک کو تقسیم' سول مارشل لا اور پیپلز پارٹی کے دور عذاب سے گزرنا پڑا۔ ۱۹۷۷ سے ۱۹۹۳ تک کی تدابیر نے ہمیں آج یہاں لاکر کھڑا کردیا ہے ---- ۱۹۹۳ ہم نے اس لیے لکھا کہ' جب تک یہ سطور آپ تک پہنچیں گی' غالباً ایک دفعہ پھر کوئی نہ کوئی مصنوعی تدابیر اختیار کی جاچکی ہوگی' کیونکہ حقیقی حل کے لیے قدم اٹھانے کو اب بھی کوئی تیار نہیں ---- یہ تدابیر اب ہمیں کس آتش فشاں تک لے جائیں گی' اس کے تصور سے بھی دل کانپ اٹھتا ہے۔ اگرچہ دعا بھی ہے' تمنا بھی' اور کوشش بھی' کہ ملک کو چلانے والے اسے کسی بڑے حادثہ سے دوچار نہ کردیں۔

طوائف الملوکی کی اصطلاح اسپین کے دور زوال کی یادگار ہے۔ اس وقت ہر طائفہ نے اپنی آزاد مملکت قائم کرلی تھی یہ ایک طرف ایک دوسرے کا نام و نشان مٹانے کے درپے تھیں' تو دوسری طرف عیسائی دشمنوں کی رضا جوئی کے لیے کوشاں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ابوعبداللہ کو غرناطہ کی آخری مملکت کی کنجیاں فرڈ۔نننیڈ اور ایزابیلا کی خدمت میں پیش کرکے رخصت ہونا پڑا' اور اسپین سے مسلمانوں کا نام و نشان مٹ گیا۔ خلافت عباسی کا آخری دور ہو یا مغلیہ سلطنت کا دور زوال' نقشہ یہی نظر آتا ہے۔ کبھی ایک صوبہ علم بغاوت بلند کرکے خود مختار ہوتا تھا' کبھی دوسرا۔ مرکزی حکومت بغداد' دہلی تک محدود ہوکر رہ گئی تھی' اور وہاں بھی کہیں خلیفہ اور بادشاہ' کہیں وزیراعظم اور سپہ سالار' اقتدار کی کشمکش میں مسلسل ایک دوسرے کو اختیار سے بے دخل کرتے اور خود قابض ہوتے رہتے تھے۔

بدقسمتی کی بات ہے کہ آج پاکستان اسی قسم کی طوائف الملوکی کا شکار ہے۔ مرکز میں ایک آزاد "مملکت" جناب صدر نے اپنی بنالی ہے' ایک جناب وزیراعظم کی ہے۔ دونوں ایک گھمسان کی (سیاسی و قانونی) جنگ میں ایک دوسرے کے ساتھ برسرپیکار ہیں' اور ایک دوسرے کی شکل تک دیکھنے کے روادار نہیں۔ یہ جنگ اس لیے اور خوفناک بنتی جارہی ہے کہ مملکت کے دستوری سربراہ صدر ہیں' جب کہ انتظامی سربراہ وزیراعظم۔ لیکن مملکت ایک ہی ہے' اور دونوں کے لیے اپنے اپنے علاقے لے کر الگ ہوجانا ممکن نہیں' مگر دونوں ایک چادر میں سمانے کو بھی قطعاً تیار نہیں۔ پھر کیا اس کھینچا تانی میں کہیں چادر پھٹ تو نہ جائے گی! یا تیسری قوت دونوں کو نکال باہر تو نہ کردے گی!

جناب صدر صرف دستوری سربراہ سہی' لیکن انہوں نے ہر صوبہ کے ہاتھوں میں علم بغاوت تھما کر اسے اپنا حلیف بنا لیا ہے۔ چنانچہ ہر صوبہ کی انتظامیہ جناب وزیراعظم کے خلاف صف آرا ہے' خصوصاً پنجاب اور سرحد کی' کہ جن کے درمیان مرکزی دارالسلطنت ایک محصور شہر بلافصیل ہوگیا ہے۔ یہ طوائف الملوکی کی انتہائی خوفناک صورت ہے۔ وزیراعظم کی حکومت فی الواقع زیرو پوائنٹ تک محدود ہوکر رہ گئی ہے' باقی علاقوں پر صوبوں کی معرفت صدر کی حکومت ہے۔ بحیثیت وزیراعظم صوبوں میں ان کا حکم نہیں چل رہا' بلکہ وہ وہاں جا بھی نہیں سکتے۔ صوبوں کے پاس پولیس کی مسلح قوت ہے' جب کہ وزیراعظم کے پاس کوئی قوت نہیں جو ان کا حکم ماننے کو تیار ہو۔ ان مرکزی ملازمین کو بھی' جو صوبوں میں متعین ہیں' وہ معطل کرتے ہیں تو

صدر' بحیثیت دستوری سربراہ کے' (اگرچہ شاید بلا کسی دستوری اختیار کے)' انہیں بحال کردیتے ہیں۔ حزب اختلاف بھی' قوت و تعداد میں کم سہی' جناب صدر کی حلیف بن چکی ہے۔ اور اب' صدر کی سربراہی میں' صوبوں اور حزب اختلاف نے اسلام آباد کے محصور دارالسلطنت پر "چڑھائی" کا اعلان کردیا ہے۔ "صدر کی سربراہی" ہم نے اس لیے کہا کہ آج کے سپہ سالار آگے آگے ہونے کے بجائے سب سے پیچھے بیٹھ کر اپنی فوجوں کو لڑاتے ہیں۔

جناب وزیراعظم نے قانون اور عدالت کا دامن تھاما' اور عدالت نے ان کے خلاف جناب صدر کی غیرقانونی کارروائی کو کالعدم قرار دے کر' ان کو سہارا بھی دیا۔ لیکن عدالت کے فیصلوں میں بس اتنی قوت ہوتی ہے جتنی فریقین نفسیاتی طور پر اسے دینے کو تیار ہوتے ہیں۔ یا جتنی ریاستی قوت اس کی پشت پر ہوتی ہے۔

جہاں فریقین سمجھتے ہیں کہ فیصلہ سے سرتابی کی سرمو مجال نہیں' وہاں عدالت کو مکمل قوت حاصل ہوتی ہے۔ جہاں کوئی فریق' جس کو سیاسی قوت حاصل ہو' مان کر بھی نہ ماننے یا عدالت پر کیچڑ اچھالنے پر اتر آئے' وہاں عدالت اتنی بے بس ہوجاتی ہے کہ توہین عدالت کی کارروائی بھی کرنے سے عاجز ہوتی ہے۔ اور جہاں ریاست کا وہ بازو جو قوت کا حامل ہوتا ہے' عدالت کی پشت پناہی کے لیے تیار نہ ہو' وہاں بھی فیصلے کاغذ پر دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ کیا جتنا عدالت کے خلاف کہا گیا اتنا قوت قاہرہ کے خلاف کہا جاتا تو اسی طرح سناٹا طاری رہتا؟ ایک دفعہ چند ریڈ انڈین قبائل کو جلا وطن کرنے کے خلاف امریکن سپریم کورٹ نے حکم نامہ جاری کیا' تو امریکہ کے مشہور صدر آدم نے کہا: کرلے سپریم کورٹ اپنا حکم نافذ! --- اور قبائل گھربدر کردیئے گئے۔ اب بھی' زبان قال سے نہیں' زبان حال سے یہی کہا جارہا ہے کہ "سپریم کورٹ اپنا فیصلہ نافذ کرلے"۔ کہ شاید ماضی میں اپنی بے اختیاری کو دیکھتے ہوئے ہی عدالتوں نے وہ فیصلے کیے جو آج ہدف ملامت بنے ہوئے ہیں۔

ملک کے سنگین ترین بحران کو پیدا کرنے اور اس کو برقرار رکھنے' میں یہ واضح ہے کہ اصل کردار جناب صدر کا ہے۔ انہوں نے منتخب اسمبلی اور وزیراعظم کو برطرف کرنے کا ایسا اقدام کیا جس کے بارہ میں ہم نے لکھا تھا کہ اس کا کوئی قانونی' سیاسی' یا اخلاقی جواز نہیں ہے۔ سپریم کورٹ کے فیصلہ نے ہماری اس رائے کی توثیق کردی۔ ان کے سارے اقدامات سے' اور ان کے اقدامات اور بیانات سے بھی ان کا کام کررہے ہیں' یا ان کی ترجمانی کرتے ہیں' یا جنہیں ان

کی پشت پناہی حاصل ہے' یہ بات بالکل عیاں ہے کہ "غلام اسحاق خان" ہر قیمت پر "نواز شریف" کو وزارت عظمیٰ سے ہٹانے پر تلے ہوئے ہیں' اور اس معاملہ میں کسی مفاہمت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ان کی جگہ کوئی آجائے --- بلخ شیر مزاری ہوں' بے نظیر بھٹو یا شہباز شریف --- وہ نہ رہیں۔ ان کے پاس اپنی اس روش کے لیے کیا وجوہات ہیں' اس پر گفتگو کا اس وقت کوئی حاصل نہیں۔ اس سے بھی انکار نہیں کہ وہ دیانتداری سے خود کو حق بجانب سمجھتے ہوں گے' اور ان کے بعض دلائل میں وزن بھی ہوگا۔ لیکن کیا یہ روش ملک کے آج اور کل کے لیے تباہ کن نہ ثابت ہوگی؟

وزیراعظم کی ۱۷ اپریل کی تقریر تو بہت بعد کی بات ہے' جنوری فروری ہی سے ان کے ترجمانوں نے' پبلک بیانات اور پرائیویٹ گفتگوؤں میں' یہ بات پورے زوروشور کے ساتھ کہنا شروع کردی تھی کہ "اب کسی مفاہمت کا کوئی سوال نہیں' نواز شریف کو جانا ہی ہوگا' اس نے بے وفائی اور غداری کے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔" فیصلہ طلب بات صرف یہ رہ گئی تھی کہ یہ خاتمہ اسمبلی کے اندر ممکن ہے (کہ یہ قابل ترجیح تھا) یا اسمبلی ہی کا خاتمہ کرنا ہوگا۔

خود جناب صدر بھی زبان حال سے یہی کہہ رہے تھے۔ ایوان صدر میں جو لوگ بلائے جاتے' اور باہر کر وہ جو بیانات دیتے' ذرا ان کو کسی کمپیوٹر پر ڈال دیجیے۔ صوبائی وزراء اعلیٰ نے ان کے دوبارہ انتخاب کے لیے جو مہم چلائی اس کو دیکھ لیجیے۔

اس وقت انہوں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ میں دوسری میعاد کا خواہاں نہیں ہوں)۔ صوبوں نے اچانک وفاق سے شکایات کا جو سلسلہ شروع کردیا اس پر نظر ڈالیے۔ مفاہمت او. مصالحت کی کوششوں کا جو انجام ہو رہا تھا اس کو ذہن میں رکھیے۔ ۱۴ اپریل کی ملاقات میں وزیراعظم نے صدر کے سامنے جس طرح سرنڈر کردیا تھا' اس کے جواب میں ان کی روش کو دیکھیے۔ پنجاب میں' جہاں اب تک ان کی براہ راست حکومت نہ تھی' لوٹوں کے ذریعے جس طرح اپنی مرضی کے گورنر اور وزیراعلیٰ کو بٹھایا گیا' اس کو بھی سامنے رکھیے۔ کوئی انصاف پسند آدمی انکار نہیں کرسکتا کہ ایوان صدر منتخب وفاقی حکومت کے خلاف سازشوں کا مرکز بن چکا تھا۔

پھر سپریم کورٹ کے فیصلہ کے بعد پنجاب اور سرحد کی صوبائی اسمبلیوں کی اچانک تحلیل (جو صدر پہلے اپنی حلیف بے نظیر بھٹو کی ناراضگی کے باوجود کرنے کو تیار نہ تھے)' اور صوبوں کی طرف سے مرکز کے خلاف محاذ آرائی جناب صدر کی پشت پناہی کے بغیر ممکن نہ تھی۔ پنجاب اسمبلی کی دوبارہ تحلیل کے بارہ میں یہ کہنا کہ ان کو علم نہ تھا' اگر سچ بھی ہو تو کس کے لیے قابل

یقین ہوسکتا ہے۔ اور اب یہ "اسلام آباد" کے خلاف لانگ مارچ کی چڑھائی --- اگر پنجاب اور سرحد کی حکومتیں صرف عدم تعاون ہی کریں تو کیا یہ کامیاب ہوسکتی ہے ؟

جناب وزیراعظم کی بے صبریاں اور بے تدبیریاں --- ان کا اپنے قول و قرار میں ناقابل اعتماد ہونا --- اداروں اور روایات کو نظرانداز کرکے بالا بالا کام کرنا --- اختلاف کرنے والوں کے خلاف ان کی زبان اور لہجہ --- اور کلی اختیارات کے لیے ان کی طلب و خواہش --- یہ سب بجا اور درست شکایات ہیں' اور آج کے بحران کو پیدا کرنے میں ان کا بھی اپنا حصہ ہے۔ مگر یہ جناب صدر کی روش کو جواز نہیں فراہم کرسکتیں۔

انہوں نے وزیراعظم بنتے ہی "لمبے چوڑے" دستور سے اپنی بیزاری کا اظہار کیا' (وہی دستور جو ان کے کام آیا)۔ بارہویں ترمیم کے ذریعہ' دستور' صدر اور ریاست کے تمام اداروں کو بالائے طاق رکھ دینے کے اختیارات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ان کی بے تدبیریوں کا علم یہ ہے کہ پاکستان کی ساری سیاسی تاریخ سے واقف ہونے کے باوجود انہوں نے آٹھویں ترمیم میں صدر کے اختیارات ختم کرنے کی جنگ چھیڑ دی' حالانکہ اس مقصد کے لیے ان کے پاس مطلوبہ دو تہائی تعداد بھی نہ تھی۔ اور واقعتاً نہ اسمبلی ٹوٹنے کا اندیشہ تھا' نہ تین سال تک کسی چیف آف سٹاف کا تقرر ہونا تھا۔ ان کا یہ اقدام صدر کے لیے سرخ الارم کی حیثیت رکھتا تھا۔ ایک طرف وہ اپوزیشن کو غدار قرار دیتے رہے' اور ٹانگیں توڑ دینے اور سمندر میں دھکیل دینے کی دھمکیاں دیتے رہے' دوسری طرف اچانک صدر کے خلاف حمایت کے وعدہ پر انہوں نے نہ صرف انہی محترمہ بے نظیر بھٹو کو امور خارجہ کمیٹی کا سربراہ بنوا دیا اور آصف زرداری کو رہا کروا دیا' بلکہ تعاون کی صورت میں' اخباری اطلاعات کے مطابق' ان کو پانچ وزارتوں کی پیش کش بھی کردی۔

پھر اسمبلی کی تحلیل کے بعد انہوں نے جناب صدر کے خلاف وہ زبان استعمال کی کہ سپریم کورٹ کو بھی اس کا نوٹس لینا پڑا۔ اور اسمبلی بحال ہونے کے بعد' انہوں نے نہ صدر سے رابطہ بحال کیا' نہ اپوزیشن سے' سیدھے پنجاب کی حکومت ختم کرنے کی مہم میں لگ گئے۔ اور سب سے شاہکار بے تدبیری تو یہ کہ پنجاب پر قبضہ کے لیے' اپنے وکیل کے مشورہ کو رد کرکے لاہور ہائی کورٹ میں جانے کے بجائے پارلیمنٹ کو ملوث کرلیا۔ دفعہ ۲۳۴ کے تحت ایسی کارروائی کی کہ جس کا طریق کار' اور کچھ حصہ صریحاً دستور کی خلاف ورزی ہیں' اور جس کو نافذ کرنے کی طاقت

بھی ان کے پاس نہ تھی۔ اس طرح انہوں نے پنجاب کی حکومت خاطر اپنی وزارت عظمیٰ کو دا پر لگا دیا' اور اپنی لاچاری اور بے بسی دوست دشمن سب کے سامنے عیاں کردی۔

کیا نواز شریف کو ہٹانے سے بحران حل ہو جائے گا ؟

جناب وزیراعظم کا یہ کردار اپنی جگہ پر' لیکن ہمیں جو بحران درپیش ہے اس کا حل صرف افراد کو اٹھانے اور بٹھانے سے کبھی بھی نہیں ہوگا۔ اگر آج "نواز شریف" نے بے صبری دکھائی ہے' بے تدبیریاں کی ہیں' اختیارات کلی کی ہوس کی ہے' تو کل کوئی دوسرا بھی یہ سب کچھ کرسکتا ہے۔ اگر آج "نواز شریف" کا خاتمہ اس لیے ضروری قرا دیا جارہا ہے کہ وہ رہ گیا تو اپنی مرضی کا صدر لائے گا' چیف آف سٹاف لائے گا' آمر مطلق بن جائے گا' تو کل کوئی دوسرا بھی یہ سب کچھ کرسکتا ہے۔ دستور کس "بھٹو" یا "نواز شریف" کو روک سکتا ہے کہ وہ' منصفانہ انتخابات کے ذریعہ' ساری اسمبلیوں میں اکثریت حاصل کرلے' اپنی مرضی کا صدر لے آئے' اس کے ذریعہ اپنی مرضی کا چیف آف اسٹاف لے آئے' اپنی مرضی کی دستوری ترامیم کرلے ؟ اور کیا اصولاً فوج کو ملک کے انتظامی سربراہ کے ماتحت نہیں ہونا چاہیے۔

پھر کیا ایک مقتدر کے آمر بن جانے کے خطرہ کا علاج یہی ہے کہ دوسرے مقتدران کو اس کے برابر' بلکہ اس پر حاوی اختیارات دے دیے جائیں۔ کیا ایک ملک میں دو سربراہ مسلسل فساد پیدا نہیں کرتے رہیں گے ؟ کیا ملک کی فلاح و ترقی اسی میں ہے کہ اس کے مقتدر ادارے ایک دوسرے سے مسلسل دست بگریباں رہیں ؟ ہر دو تین سال بعد کشمکش اقتدار کا بحران پیدا ہوتا رہے' یا مارشل لا کا انجکشن اسے ایک طویل موت نما نیند کی آغوش میں دھکیل دے' کہ جب جاگے تو پہلے سے بدتر حالت میں ہو۔ ملک کا انتظامی سربراہ بگڑ جائے' تو کیا اس کا یہ علاج مناسب ہے کہ دوسرے مقتدران اس کو بہ جبر ہٹا دیں' یا حزب اختلاف عوام کو اس کے خلاف سڑکوں پر لے آئے اور رخصت ہوجانا ہی اس کا فرض پڑے ؟

کیا انتخابات اس بحران کا علاج ہیں ؟

اگر ۱۹۶۹' ۱۹۸۸' اور ۱۹۹۰ کے بحرانوں کا اس طرح علاج نہ ہوسکا' تو اس بحران کا علاج انتخابات سے کس طرح ہوجائے گا ؟ ووٹرز میں کوئی تبدیلی نہ آئے' انتخابات کے نظام و قوانین میں کوئی اصلاح نہ ہو' سیاسی محاذ آرائی کے تیز بخار کی حالت میں انتخابات ہوں' ایک گروہ کو بنوک شمشیر نکال کے ہوں' اس کے مخالفین کو مسند حکومت پر بٹھا کر کیے جائیں' تو ایک بدتر

بحران پیدا نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا۔ بلخ شیرمزاری اور وٹو کی حکومت ہو یا جتوئی اور وائیں کی' ان کے تحت انتخابات ہوں تو کیا ان کو منصفانہ تسلیم کیا جائے گا' سکون و قرار نصیب ہوسکے گا۔ پھر انتخابات کی رٹ لگائے جانے کا مقصد ایک ٹولے کو ہٹانے کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے' خواہ اس کی جگہ اسی کی طرح کوئی بھی دوسرا ٹولہ آکر مسند اقتدار پر بیٹھ جائے۔ یہ کس طرح جائز ہوسکتا ہے کہ حزب اختلاف اسمبلیوں سے استعفے دے دے یا لانگ مارچ منظم کرلے تو اسمبلی توڑ دی جائے یا نئے انتخابات کرانا حل بن جائے۔

ملک میں کوئی مستحکم نظام اس وقت تک کبھی بھی قائم نہیں ہوسکتا جب تک ملک کے منتخب انتظامی سربراہ کو سول اور ملٹری پر اختیار حاصل نہ ہو' اور اس کے سر پر کوئی دستوری تلوار لٹک رہی ہو۔ کوئی آمریت اور بدعنوانی کی راہ پر چلے تو اسے روکنے کا یہ طریقہ صحیح نہیں کہ اس کو اوپر سے' یا نیچے سے سڑکوں پر احتجاج کے ذریعہ ہٹا دیا جائے۔ وہ آئے تو منصفانہ طور پر رائے عامہ کی حمایت کے بل پر' جائے تو دستور و قانون کے تحت۔ آمریت کی راہ پکڑے یا بدعنوانی کی' تو اس کے دوسرے علاج سوچے جائیں۔ اعلیٰ اور حساس عہدوں پر تقرریوں کی توثیق جمہوری اداروں کے سپرد کی جاسکتی ہے۔ سول ملازمین کو سیاسی دباؤ سے نجات دلانے کے لیے بھی تدابیر موجود ہیں۔ مالی بدعنوانیوں کے لیے بھی چیک قائم کیے جاسکتے ہیں۔ احتساب کا ایک مستقل نظام قائم کرنا بھی ضروری ہے۔ احتساب کا حق ہر شہری کو دیا جاسکتا ہے' اور تمام حکومتی عہدیداروں کو عام شہریوں کی طرح عدالتوں کے سامنے جواب دہ ٹھہرایا جاسکتا ہے' جیسا کہ اسلام کا تقاضا ہے۔ انتخابات کو زیادہ سے زیادہ منصفانہ' انتظامیہ کی مداخلت سے آزاد' اور دھن دولت کے راج سے پاک کرنے کے لیے مناسب اقدامات ممکن ہیں۔ جماعت اسلامی نے اس مقصد کے لئے انتہائی مفید تجاویز پیش کی ہیں۔ لیکن کاش لوگ واقعی اصلاح کے خواہاں ہوتے!

ملک کو درپیش بحران سے نکالنے کے مختلف راستے ہوسکتے ہیں۔

سب سے بہتر راستہ تو یہ ہے کہ صدر' وزیراعظم اور قائد حزب اختلاف مل کر بیٹھیں' آمریت اور بدعنوانیوں کا راستہ بند کرنے کے لیے' انتخابات کے عمل کو منصفانہ بنانے کے لیے' اور عوام کی منتخب کردہ حکومت کو مقررہ مدت تک تحفظ و سلامتی فراہم کرنے کے لیے مناسب مستقل انتظامات سوچیں' اور ان پر تمام سیاسی قوتوں کا اتفاق رائے حاصل کریں۔ ان کو مناسب قانون سازی کے ذریعہ نافذ کردیں۔

باہمی اتفاق رائے سے یہ بھی طے کریں کہ موجودہ حکومت کب تک کام کرے گی' اور آئندہ صدر کون ہوگا۔

اگر اس فارمولے پر عمدرآمد ہوجائے تو ملک کی بہتری کے لیے اس سے بہتر اور کوئی راہ نہیں ہوسکتی۔

۲۔ اگر یہ راہ نہ اختیار کیا گئی تو ہر حل میں خرابی کی صورت مضمر ہے۔ لیکن سب سے کم نقصان دہ راستہ یہ نظر آتا ہے کہ ہر سطح پر مکمل غیرجانبدار' (اگرچہ یہ جنس عنقا ہے)' افراد' جن پر فریقین کو اعتماد ہو' اور جو آئندہ انتخابات میں حصہ نہ لیں' حکومت سنبھالیں۔ موجودہ حکومت کا جانا دستوری طریقہ سے ہو۔ انتخابی قوانین اور نظام میں زیادہ سے زیادہ ممکنہ اور متفقہ اصلاحات کردی جائیں۔ اور اس کے بعد انتخابات کرا دیئے جائیں۔ (ا) انتخابات سے مسئلہ حل تو نہ ہوگا' لیکن نہ کرانے کی صورت میں حالات بدتر ہوسکتے ہیں۔ اس کا امکان نظر نہیں آتا کہ ایسا کوئی حل فریقین خود ماننے پر تیار ہوں۔ ایسی صورت میں تو ان سے منوانے میں بھی دریغ نہ کیا جائے۔ بشرطیکہ منوانے والے اپنی اغراض سے بالاتر ہوں' انصاف سے معاملہ کریں' اور انصاف کرتے ہوئے محسوس بھی ہوں۔

اگر بہ جبر کوئی ایسا سیاسی حل' یا انتخابی فارمولا مسلط کیا گیا جس میں کسی فریق کے ساتھ صریح بے انصافی ہوتی ہو' تو اس سے مزید فساد ہی پیدا ہو گا۔ اور اگر غیردستوری ذرائع سے بحران ختم کیا گیا تو اس کا نتیجہ نہ پہلے اچھا نکلا ہے نہ اب اچھا نکلے گا۔

بنیادی مسئلہ نظام چلانے والوں کے کردار کا ہے۔ کوئی نظام خود سے اس بات کی ضمانت نہیں دے سکتا کہ اگر چلانے والے من مانی کرنے اور لوٹ مار مچانے پر تل جائیں تو ان کو روکا جائے گا۔ خلافت راشدہ کی مسند پر بھی غلط کار افراد بیٹھ جائیں تو ان کی روک تھام مشکل ہے۔ اور اگر تخت شاہی پر کوئی صالح' انصاف پسند اور خادم رعیت فرد بیٹھ جائے تو لوگ سکھ کی زندگی بسر کرسکتے ہیں۔ اچھے اور موثر قوانین اور نظام اس لئے ضروری ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو خرابی اور فساد کے دروازے بند کردیئے جائیں' اور کوئی کھولنا چاہے تو اس کا ہاتھ پکڑنے کے انتظامات ہوں۔ لیکن نظام اور قوانین اسی صورت میں اپنے مقصد کے لئے موثر ہوسکتے ہیں۔ جب ان کی نگرانی کیلئے ایک مضبوط رائے عامہ موجود ہو' اور چلانے والے خوف خدا سے خالی نہ ہوں اور نہ نظام و قوانین کا احترام ضروری سمجھتے ہوں۔